بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

تاریخ درسگاہِ حکمت اسی لیے ہے کہ وہ آئینہ دارِ عبرت ہے!

پوری کائنات خدا کی سلطنت ہے، اور جس طرح اس کے سنن و نوامیس اس سلطنت کے جمادی، نباتی حیوانی موجودات پر حاوی ہیں، اسی طرح انسانی زندگی بھی خواہ وہ فرد کی ہو یا معاشرے کی، اسی کی تقدیرات اور اسی کے ضوابط میں جکڑی ہوئی ہے۔

ان بے لاگ قوانین کے تحت کوئی جامد اور کمزور قوم یکایک سر اُبھارتی ہے اور دوسری طرف کسی طنطنہ دار قوم کا حال ویسا ہو جاتا ہے جیسے کوئی قصرِ رفیع الشان کھنڈروں میں بدل جائے۔ کوئی تہذیب عروج پر آتی ہے، اور کوئی پہلے سے تسلط یافتہ تہذیب جڑ بنیاد سے اُکھڑ جاتی ہے۔ کوئی شخص بوریا سے اُٹھتا ہے اور تخت نشین ہو جاتا ہے اور کسی دوسرے کے سر سے قدرت تاج نوچتی ہے تو سر بھی اس کے سامنے زمین پر آگرتا ہے۔ پوری تاریخ عظمتوں کا ایک قبرستان ہے۔ یہاں کبھی فرعون بھی تھا جس نے کہا تھا انا ربکم الاعلیٰ۔ یہاں نمرود بھی ہو گذرا ہے جس نے شانِ استکبار سے کہا تھا: انا احیی و اُمیت۔ یہاں چنگیز و ہلاکو بھی تلواریں لہرا چکے ہیں، جنہوں نے شہروں کو مقتل بنا دیا تھا، خون کے دریا بہائے، علم کے چراغ گل کیے اور عصمتوں کے گلشن تاراج کیے۔ یہاں کبھی ہٹلر کا مکہ ہوا میں لہراتا تھا اور مسولینی کی صیادوں جیسی نگاہیں دل و جگر سے گذر جایا کرتی تھیں۔ خود ہماری تاریخ میں یزید، شمر، حجاج بن یوسف اور ابن ہبیرہ جیسی خونخوار ہستیاں بھی گذری ہیں۔ پھر قریب کے دور میں دیکھیں تو مصطفیٰ کمال اور ناصر کا ڈنکا بجتا ہم نے دیکھا، مگر وہ جب اپنے مخالفِ دین ظالمانہ اعمال کی زد میں آئے تو رنگ کچھ اور ہو گیا۔ سرزمین پاکستان کیسے فراموش کر سکتی ہے غلام محمد اور سکندر مرزا اور صدر ایوب اور صدر یحییٰ کے ادوار کو

جب کہ ان لوگوں کے تخت ہمارے سروں پر بچھے تھے اور گردن ہلانا اور دم مارنا ممکن نہ تھا۔ لیکن انہیں اعزاز و اکرام کے اسٹیج سے سنن الٰہیہ نے دھکیل کر اس طرح پیچھے گرا دیا ہے کہ کوئی اُدھر مڑ کر دیکھتا بھی نہیں۔

شروع سے اب تک اسی طرح ہوتا آیا ہے، مگر ایسے لوگ کم نکلے جو تاریخ کے پچھلے واقعات سے عبرت کا درس لے سکتے۔ اور اس دُنیوی زندگی میں اقتدار کی آزمائش سے ہمیشہ کے لیے سُرخرو ہو کر نکلتے۔ اقتدار سب سے بڑا اعزاز اور ذریعۂ شہرت بھی ہے، اور اقتدار ہی سب سے بڑا سامانِ ذلت بھی۔ خدا کے رسولؐ نے کیا ہی صحیح فرمایا کہ اقتدار اللہ تعالیٰ کا ایک سایہ ہے اور جس کے حصے میں یہ آئے، اُس نے اگر اس کی توہین کی تو اللہ تعالیٰ اُسے بھی ذلت سے دوچار کرے گا۔ دوسرے لفظوں میں اقتدار خدا کی طرف سے ایک گراں بہا امانت ہے۔ اور جو شخص اقتدار کی قوت کو استعمال کرنے میں خیانت کرتا ہے، اس کے اصل مالک کی مرضی سے بغاوت کر کے اُسے حصولِ مفاد اور دوسروں پر ظلم کرنے کا ذریعہ بناتا ہے تو وہ گویا اللہ کی معزز امانت کی توہین کرتا ہے۔ امانتِ اقتدار کی توہین کرنے والوں کو جس اُخروی انجام سے دوچار ہونا ہے وہ تو پیش آئے گا ہی، بالعموم اس دنیا میں ہی اللہ کا غضب و انتقام ایک ہلکی سی جھلک دکھا دیتا ہے۔

ہمارے درمیان ایک شخص اُٹھا اور اُس نے کہا کہ "میں پاکستان کے سب حکمرانوں سے زیادہ دیر تک حکومت کروں گا"۔ اس نے متعدد بار سیاسی یا صحافیانہ دائروں میں اختلاف کرنے والوں کو دھمکایا کہ میں "فکس اَپ کر دوں گا"، یہاں تک کہ کچھ دنوں تک کے لیے یہ الفاظ زدِ عام ہو گئے۔ اُس نے کئی معاملوں میں کہا کہ یوں ہوگا، "ورنہ پھر دما دم مست قلندر!" انتخابات ۱۹۷۰ء کے بعد جب قومی اسمبلی کے اوّلین اجلاس کا انعقاد مشرقی پاکستان میں کرنے کا اعلان ہوا تو اُس نے کہا کہ مغربی پاکستان سے اگر کوئی شخص اس میں شرکت کے لیے جائے گا تو اُس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ اور اس نے انتخابات مارچ ۱۹۷۷ء کے بعد تناؤ کے ساتھ کہا کہ انتخابات دوبارہ نہیں کرائے جا سکتے۔ انتخابی دھاندلی کے خلاف عوام کے احتجاجی مظاہروں کو روکنے کے لیے جب گولیاں برس رہی تھیں تو اُس نے کہا کہ میری کرسی بڑی مضبوط ہے"۔

لیکن ۵ جولائی کو وہ مضبوط کرسی اُلٹ گئی اور "چیئرمین" صاحب قلعے کے سے حفاظتی انتظامات میں

گھر سے ہوتے ہوئے قصرِ وزارت سے نکل کر خارزارِ حراست میں جا پہنچے یا اللہ، برحق ہے کہ تعز من تشاء وتذل من تشاء!

یاد کیجیے اس شخص کی چالاکیاں، اس کی جبر کیشیاں، اس کی تیزیاں اور طراریاں، اس کے کرائے ہوئے قتل اور اغوا، اس کا قائم کردہ غیر قانونی جیل دولائی کیمپ، اس کے سجاتے ہوئے بنگلے اور مہمان خانے، اس کے عشرت کدوں میں خم لنڈھانے اور عصمتیں برباد کرنے کے انتظامات، قومی خزانے کا بے رحمانہ استعمال، اقتصادیات کی بربادی کے اقدامات، عہدوں کا اپنے حامیوں اور خوشامدیوں میں بٹوارہ، لائسنسوں پرمٹوں اور راشن ڈپوؤں کی سیاسی بنیادوں پر تقسیم، بلوچستان سے عورتوں کا پردہ ختم کرانے کی تحریک کا آغاز، ذرائع ابلاغ کا اپنے اور اپنی پارٹی کے حق میں پروپیگنڈا کرانے کا بھرپور استعمال، انتخابات ۱۹۷۷ء میں سرکاری ملازمین کے تعاون سے دنیا بھر کی سب سے بڑی دھاندلی، دھاندلی کے خلاف اُٹھنے والے ایجی ٹیشن میں سیاسی لیڈروں اور ورکروں، ججوں اور وکیلوں، علماء اور طلباء اور پردہ دار خواتین کے خلاف اندھا دھند لاٹھیوں، گیس اور گولیوں کی بوچھاڑیں، شاہی قلعے اور سی۔آئی۔اے اور دفتروں اور تھانوں میں گرفتار لوگوں پر وحشیانہ تشدد، عدالتوں کو درکنار رکھ کر ٹربیونلوں کے ذریعے سیاست کاروں اور صحافیوں کو سزا دہی، ۱۹۷۱ء کی جنگ میں اپنی بہادر فوج کو مشرقی پاکستان میں ذلت آمیز شکست سے دوچار کرانے اور نوے ہزار افراد کو بھارت کا قیدی بنوانے کا کارنامہ۔ پھر انہی قیدیوں کو چھڑانے کے لیے شملہ معاہدے کا شاخسانہ، مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنوانے میں مؤثر پارٹ، فوج کو مجبور کر کے بلوچستان پر چڑھائی کرانا، جرائم پیشہ اور غنڈہ افراد کو سیاسی میدان میں لا کر معاشرے کے شرفا کو گھٹیا عناصر کے سامنے بے بس کر دینا، تعلیم یافتہ طبقے کے مقابلے میں ان پڑھ عوام کو روٹی کپڑے مکان کے نعرے سے مست کر کے صف آرا کرنا، قوم کے نونہالوں کو سڑکوں پہ ننگا کر کے پٹوانا، اسلامی سوشلزم کے لایعنی سلوگن کو فروغ دے کر قوم میں فکری بحران پیدا کرنا، کرائے کے سامعین کو بلا کر جلسوں جلوسوں کی رونق بڑھانا — جس شخص کی داستانِ قیادت کے یہ ابواب ہوں، قدرت اسے آخر کہاں تک ڈھیل دیتی۔

کیا ہی ایکٹنگ کی شان تھی اس شخص کی اُس دن جب ایک بیرونی دورے سے (غالباً افغانستان یا ایران سے) واپس آنے پر اسے بتایا گیا کہ ڈاکٹر نذیر کو قتل کر دیا گیا ہے تو یہ شخص قومی اسمبلی کے لیے جماعت اسلامی کی منتخب شدہ اس نمایاں شخصیت کے متعلق نادان بن کر پوچھتا ہے: 'WHO WAS THIS GENTLEMAN'

یعنی یہ بھلا آدمی کون تھا؟ اُس سے یہ نہ ہو سکا کہ اس اطلاع کو سن کر یہ کہتا کہ بڑا افسوسناک واقعہ ہے، یا کہتا کہ اس کی فوری تحقیقات ہونی چاہیے اور قاتلوں کو پکڑ کر سزا دلوانی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ بھٹو صاحب سے اگر کسی مقتول کی خبر بیان کی جا رہی تھی تو اُس کی کوئی اہمیت تھی۔ ان کی مشکل شاید یہ رہی ہو گی کہ اپنے بے شمار قتیلانِ ناز میں سے کس کس کو جانیں ــــــ ڈاکٹر نذیر، خواجہ رفیق، مولوی شمس الدین، عبدالصمد اچکزئی، ضامن علی، نواب محمد احمد خاں ــــــ بیچارے یہی پوچھ کر رہ گئے کہ ع

یہ کون تھا؟ کس کا خون بہا؟

کتنی ہی شہ رگوں کا خون اور کتنی ہی آنکھوں کے آنسو اور کتنے ہی ہونٹوں کی آہیں اور کتنے ہی دلوں کی بددعائیں بھٹو صاحب کے پیمانۂ مقدر میں بھرتی چلی گئیں، یہاں تک کہ پیمانہ چھلک گیا۔ یہ وقت جب آجاتا ہے تو پھر قاعدہ یہی ہے کہ لا یستاخرون منه ساعۃً ولا یستقدمون۔ رات کو نشۂ اقتدار میں حسبِ معمول شیر ژیاں بنے، صبح ہوئی تو نشہ ہرن ہو گیا اور شیرِ قالین بھی نہ رہے، کیونکہ قالین ہی باقی نہ تھا۔ ؎

جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا

میں نے گردشِ ایام کا یہ شعبدہ دیکھا تو ایک لحظہ کے لیے لحۂ فکر یہ مجھ پہ طاری ہو گیا۔ میں سوچتا رہا کہ ایک شخص کی ہفت رنگ ذہانت، اس کی ساحری، اس کی بازی گری، اس کے ملکی اور بین الاقوامی تعلقات، انگریزی، اُردو اور سندھی میں طلاقتِ لسانی، اقتدار کے محل میں رہ کر بڑے سے درجے کی سیاست کاری کے براہ راست تجربات و مشاہدات، ۱۹۶۵ء سے تخت تک پہنچنے کے دُور رس منصوبوں پہ کام کرتے ہوئے طرح طرح کے جوڑ توڑ، اُوپر محلاتی سازشں میں حصہ داری اور نیچے عوام میں انتخابی معرکہ آرائی ــــــ اس ساری تگ و تاز کا حاصل بس یہی چار ساڑھے برس کی فرماں روائی، اور اس کے بعد طرح طرح کے سیاسی و اخلاقی، اور ذاتی و قومی جرائم کے انبار تلے دب کر رہ جانا! آخر ایسا کیوں ہوا؟

اعماقِ دل سے جواب ملا کہ بندہ ہوتے ہوئے خدا سے بے نیازی، اس کے بندوں کی بہت بڑی خدمت کی ذمہ داری کندھوں پہ لینے کے بعد اُلٹا عوام کو فسطائیت کی چکی میں پیس دینا، لوگوں کے دلوں کو ہاتھ میں لینے کے بجائے یا تو انہیں مغالطوں اور خوش فہمیوں میں ڈال کر ساتھ گھسیٹنا، یا پھر ان کو جبریت اور تذلیل و تحقیر کا نشانہ بنانا، جھوٹ کی ریتلی بنیادوں پہ پروپیگنڈے کے حفاظتی قلعے کھڑے کرنا، اسلام کا نام لے لے کر اسلام کو جراحتیں پہنچانا اور احیائے اسلام کا راستہ روکنے کے لیے ایسی جزوی، سرسری اور نمائشی

کارروائیاں کرنا جن سے عوام کے دل بہلے رہیں اور برادر مسلم ممالک اچھی توقعات وابستہ کریں، اپنی تمام سرگرمیوں میں تضادات بھر دینا، یہ تھے وہ وجوہ جن سے بیس سال کی تیاریاں کرکے حکمرانی پانے والا ایک شخص مدتِ تیاری کے ایک چوتھائی حصے میں محل سے دھکیل کر باہر کر دیا گیا، اور باہر بھی اب قوم اس کے لیے پھولوں کے ہار لیے نہیں کھڑی ہے کہ اس کی زرین خدمات کی تحسین تو باقی ہے۔

چند اہلِ مفاد اور نافہم عقیدتمندوں کا قصیدے پڑھنا اور چیز ہے، اور قوم کے مجموعی مزاج کا ردِ عمل اور چیز۔

مگر جس طرح اقتدار پہ آکر آدمی برخود غلط ہونے کی وجہ سے خود ہی اپنی محرومیٔ اقتدار کے سامان کرتا ہے، اسی طرح اقتدار سے الگ ہونے پہ وہ ایک اور طرح کے مغالطے میں پڑ کر یہ سمجھتا ہے کہ جو بازی ہر گئی ہے اسے وہ دوبارہ جیت لے گا۔ اور اس مغالطے کے تحت جو مساعی وہ کرتا ہے وہ اسے اور خراب کرتی ہے۔ بلکہ ایک مفروضہ کے طور پہ آج اگر بھٹو صاحب کو پھر تخت نشین کر دیا جائے تو وہ پہلے سے کہیں بڑھ کر ظلم اور جھوٹ سے کام لیں گے اور پہلے سے زیادہ بڑی رسوائی کے ساتھ برطرف کیے جائیں گے۔ کاش کہ وہ اپنی غلطیوں اور حالات کی ناسازگاریوں اور قومی رجحانات کی تبدیلیوں کو سمجھ سکیں۔

انسانوں کی اکثریت کی مشکل یہی ہے کہ وہ نہ تاریخ سے سبق لیتے ہیں، نہ اپنی غلطیوں کو تسلیم کرتے ہیں، اور نہ بدلے ہوئے حالات کے تیور پہچانتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ ایک ہی سوراخ سے دس دس بار ڈسے جاتے ہیں۔

بھٹو صاحب یا دوسرے لوگ جو کچھ بھی سوچتے ہوں، میری سوچ و بچار کا ماحصل یہی ہے کہ میں خدائے قیوم و قدوس کے سامنے سرافگندہ ہوکر یہ عرض کرتا ہوں کہ اے اللہ تمام کائنات تیری سلطنت ہے، تمام انسان تیرے بندے ہیں۔ تمام افراد و اقوام پر تیرا بے لاگ قانون نافذ ہے، تو چاہے تو ریگزاروں میں لالہ و گل کھلا دے اور چاہے تو عالیشان آبادیوں کا خاک اڑا دے۔ تیرا اشارہ ہو تو کوئی گدائے بے نوا سریر آرائے سلطنت ہو سکتا ہے اور تو چاہے تو کسی آقائے ولی نعمت کو در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دے یا پھانسی کے تختے پر پہنچا دے۔ اے مالک الملک! مجھے بھٹو صاحب سے کوئی ذاتی نفرت نہیں ہے، کسی شخصی معاملے میں میں اپنے اندر ان کے لیے کوئی خواہش انتقام نہیں رکھتا، کوئی اندھا جذبہ مجھ میں ایسا نہیں ہے کہ ان کو مصیبت میں دیکھ کر مجھے تفریح حاصل ہو۔ میرے لیے ان کی غلطیاں بھی باعثِ رنج

ہٹیں، اور اب ان کے حق میں غلطیوں کے جو نتائج نکل رہے ہیں، ان پر بھی ویسا ہی ملال ہے، جیسا کسی زہر کھا لینے والے کی کشمکشِ موت و حیات کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ البتہ انہوں نے پاکستان جیسی پیاری مملکت کے اندر بسنے والی قوم کو سیاسی، اخلاقی، معاشی، ثقافتی اور فکری لحاظ سے جس بُری طرح تباہ کیا ہے اس کا تلخ احساس کسی بھی محبِ دین اور خادمِ ملت فرد کی طرح میری روح سے کبھی الگ نہیں ہوتا۔ قوم نے غلام محمد، سکندر مرزا، صدر ایوب اور محمد یحییٰ کے ادوار کے مقابلے میں بھٹو دور میں کئی گنا زیادہ چرکے کھائے ہیں۔ قدرت بھٹو صاحب کے حساب کا کچھ حصہ اس دُنیا میں لے لے گی یا نہ لے گی، یہ تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن آخرت میں اُن کو ذرے ذرے، لفظ لفظ، قدم قدم اور پیسے پیسے کا حساب احکم الحاکمین کو دینا ہوگا۔ جبکہ ہزارہا فریادی اُن کو گھیرے ہوئے ہوں گے۔ اور بعض مقدموں میں تو خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدعی ہوں گے۔ ؎

بچتے نہیں، مواخذۂ روزِ حشر سے

وہاں موصوف کے لیے حساب پورا کر دکھانا بھی محال، اور تلافیٔ مافات بھی ناممکن! ـــ باقی انجام صرف خدا ہی جانتا ہے۔

موصوف کو ایک اخلاقی جرم میں ہائی کورٹ سے جو سزا ملی ہے، اس کے خلاف ایک طرف ملک میں مصنوعی طور پر تخریب کاری کا طوفان اُٹھایا گیا (کیونکہ پہلا دن خاموشی سے گزر گیا تھا) اور دوسری طرف احتجاج اور درخواستِ رحم کی ایسی شکلیں سامنے آئیں جن میں قانون کی عملداری پر عدم اعتماد اور عدلیہ کی توہین کے پہلو نکلتے تھے۔ رہیں باہر کی رحم کی اپیلیں تو اُن کی حقیقت یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کے جو سرکردہ اور غیر نمایاں حضرات ملک سے باہر چلے گئے ہیں وہ جا بجا سارے معاملے کو اپنے رنگ میں پیش کر کے ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ دوسری طرف ہمارے ہاں سے یہ اہتمام بروقت نہ ہو سکا کہ موعودہ قرطاسِ ابیض کے ذریعے بھٹو صاحب کا پورا کردار دُنیا کے سامنے واضح کر دیا جاتا تاکہ وہ ان کے خادمِ قوم اور حامیٔ دینِ متین اور علمبردارِ جمہوریت ہونے کی حقیقت کو جان لیتے۔ نیز وہ سمجھ جاتے کہ بات یہ نہیں کہ ایک ملک کے سابق وزیر اعظم سے کوئی اکا دکا جرم سرزد ہو گیا، بلکہ حقیقت یوں ہے کہ ایک ہرجہتی مجرم تھا جو اتفاق سے ملک کے مسندِ اقتدار پر قابض ہو گیا۔